جناب پروفیسر محمد سلیمان اظہر
لیکچرر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

عربی رسم الخط ـــــــ آغاز و ارتقاء

رسم الخط کی ابتداء:

پیدائش زبان کی طرح خط کی نشوو نما کا سلسلہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ تقریر کی صورت میں متکلم کا مطلب اس کے الفاظ سن کر سمجھا جاتا ہے۔ یعنی متکلم کی لفظی آواز اور مخاطب کی سماعت تقریر کیلیے ضروری ہے۔ لیکن تحریر کیلیے الفاظی آواز کی بجائے کسی مرئی شے کی ضرورت ہوتی ہے جسے کوئی شخص دیکھ کر واضح مفہوم سمجھ سکے۔ اس کے علاوہ تقریر کی صورت میں متکلم اور سامع کی موجودگی لابدی امر ہے لیکن تحریر میں یہ قباحت ہرگز نہیں۔ انہی امتیازات کو پیشِ نظر رکھ کر خط کی ابتدا پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت آہستہ آہستہ وجود میں آیا۔

۱۔ خط کی ابتدار کا پہلا درجہ وہ ہے جب انسان نے کسی چیز کو یاد رکھنے کیلیئے کنکریوں وغیرہ کا استعمال کیا یا دھاگے کی گرہوں سے کام لیا۔ مثلاً ۴ کنکریوں یا چار گرہوں سے چار کی تعداد کو واضح کیا۔ یہ تحریر کی ابتدائی صورت تھی۔

۲۔ پھر کسی چیز پر نشان دینا یا جانور کی شناخت کیلیے داغ دینا زمانۂ قدیم سے قائم ہے۔ اگر کسی چیز پر نشان لگا دیا جائے تو وہ کسی حد تک تحریری کام دیتا ہے کیونکہ اس کے مفہوم کو سمجھنے کیلیے نگاہ نہ کہ سماعت درکار ہے۔ تصویر کشی کی رسم بہت پرانی ہے۔ تصویر کو دیکھتے ہی اس چیز کا سارا قصہ جس کی وہ تصویر ہے سمجھ میں آ جاتا ہے۔

۳۔ پھر تصویر سے کسی خاص مفہوم کو ظاہر کرنا ایک قدم اور آگے ہو گیا۔ یعنی اس درجہ میں اتنی ترقی ہوئی کہ ایک خاص مفہوم کیلیے ایک خاص تصویر مقرر کر دی گئی جبکہ پہلے ہر چیز کی تصویر اس کی غمازی کر دیتی تھی۔

پس جب تک ان اصطلاحات سے واقفیت نہ ہو جو اس تصویر کو سمجھنے کیلیے ضروری ہیں، اس تصویر کے مفہوم کو سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔

۴۔ پھر وہ درجہ آتا ہے جب تصویر کے کسی خاص مفہوم کو نہیں بلکہ آواز کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں:

ا۔ تصویر قائم مقام تلفظ (ب) تصویر قائم مقام جزو تلفظ (ج) تصویر قائم مقام حروف تلفظ۔

ان چار ارتقائی درجات پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ دوسرے درجے پر تصویر سے وہ چیز سمجھ ں آئی جسکی وہ تصویر ہے۔ تیسرے درجے پر کسی شے کے نام کو بتاتی ہے اور چوتھے درجہ پر تصویر واز کو ظاہر کرتی ہے۔ اس آخری درجے سے حروف ابجد کی تاریخ وابستہ ہے۔ مصریوں کا پہلا خط وہ ہے مسیحؑ سے کئی ہزار سال پہلے ایجاد ہوا۔ مصر کی مشہور کتاب "کتاب الالواح" اس خط میں لکھی گئی تھی۔ دیم محققین کے نزدیک حروف ابجد کو وضع کرنے والے فینیقی ہیں۔ اس کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ ود انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے مصر سے اخذ کیا تھا۔ فرانس کے ایک محقق نے جب دونوں زبانوں کے قدیم نمونوں کا موازنہ کیا تو بہت مشابہت پائی۔ جب ہم بابلی عروج کا مصر کے تمدن سے موازنہ رتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وادئ فرات میں وادئ نیل سے ہزار ڈیڑھ ہزار سال پہلے خط چوتھی منزل طے کر چکا تھا۔ اس لحاظ سے اہلِ بابل کو سب پر تفوق حاصل ہے۔ غرض حروفِ ابجد کی تاریخ یوں ہے کہ اولاً بابل یا اہل کنعان، پھر ان سے ہم شاخیں ہوئیں۔ یونانی، سبائی، حبشی اور آرامی ـــ مؤخر الذکر کے ذیل میں عبرانی، سریانی اور عربی داخل ہیں۔ اہلِ بابل درحقیقت عاد یعنی عرب کے ابتدائی باشندے تھے۔ اس لحاظ سے عرب ہی حروفِ ابجد کے موجد ہیں۔ چنانچہ سید کرامت حسین نے بھی اپنی کتاب فقہ اللسان میں یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

عرب چونکہ امم سامیہ کا مسکن اول ہے اس لئے ان کی تاریخ قدیم ترین تاریخ عالم ہے اور ان کا تمدن دیگر قوموں کے تمدن کا ماخذ ہے۔ حروفِ ابجد کی ایجاد کا فخر اس صحرائی قوم کو حاصل ہے۔ پس اسی قوم کا خط بھی قدیم ترین خط ہے۔ مگر جس طرح اس کی زبان مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے مشہور رہی اسی طرح اس کا خط بھی مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے موسوم ہوا اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا رہا۔ یمنی لوگ اپنے خط میں جو رسم الخط استعمال کرتے تھے اسے وہ اپنی زبان میں "مسند" کہتے تھے۔ وہ ان کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ رسم الخط ہود پر بذریعہ وحی اترا تھا لیکن بعد کی تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ یہ خط یعنی مسند مع اپنی شاخوں کے دشمالی عرب میں صنوی، ثمودی،

تجاتی، جنوبی عرب میں حمیری، فنیقی رسم الخط سے مشتق ہے ۔خط آرامی سے حوران میں خط نبطی اور عراق میں سطرنجیلی جو کہ سریانی کی ایک شاخ ہے، رائج تھا۔ اہلِ حجاز پر چونکہ بدویت غالب تھی اس لئے ان کا کوئی خاص رسم الخط نہ تھا کیونکہ انہیں پڑھنے لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ اگر کبھی تحریر کی ضرورت ہوتی تو نبطی اور حیری خطوں میں لکھتے تھے۔ یہی دو عربی رسم الخط کی جڑیں ہیں۔ اول الذکر سے خط نسخ پیدا ہوا اور ثانی الذکر سے خط کوفی۔ جو اسلام سے پہلے حیرہ کی طرف منسوب ہونے سے حیری کہلاتا تھا۔

امرأ القیس بن عمر کی قبر سے ایک کتبہ ملا ہے۔ اس کی زبان تو عربی ہے لیکن خط نبطی ہے۔ نبطی اور سریانی دونوں خط اسلام کے بعد رائج نہ رہے۔ موجودہ خط عربی کی قدیم ترین شکل خط نسخ اور خط کوفی ہیں۔ جب عرب تجارت کیلیے شام آئے تو وہاں نبطیوں سے خطِ نسخ سیکھا۔ خط کوفی سریانی کی سطرنجیلی شاخ سے نکل کر اسلام سے کچھ دیر پہلے رائج ہو چکا تھا اور خط حیری کے نام سے مشہور تھا۔ حیرہ عراق کا مشہور شہر تھا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حیرہ تبابعہ سے کتابت حیرہ پہنچی اور وہاں سے قریش نے سیکھی۔ مگر مسلمانوں نے جب اس کے قریب کوفہ آباد کیا تو اسی خط کو کوفے سے منسوب کر دیا۔ پس یہی دونوں خط عربی خط کی اصل ہیں اور اسی سلسلہ کی آخری کڑیاں ہیں جس کی پہلی کڑیاں مصری اور قدیم بابلی خط ہیں۔ دوسری فونیقی ہے جو خط مصری سے مشتق ہے۔ تیسری کڑی آرامی ہے جو خط فنیقی سے مشتق ہے اور چوتھی کڑی نبطی اور سریانی ہے جو آرامی سے مشتق ہے۔ خط کوفی عرب والوں نے سریانیوں سے سیکھا۔ یہ رسم الخط عرب میں لانے والا بشر بن عبدالملک تھا جو کہ دومۃ الجندل کے والی اکیدر بن عبدالملک کا بھائی تھا۔ وہ جب عرب گیا تو امیر معاویہؓ کے دادا حرب بن امیہ کا داماد بن گیا۔ اس نے یہ خط قریش کو سکھایا۔ چنانچہ ظہورِ اسلام کے وقت زیادہ تر لکھنے والے اہل قریش ہی تھے۔ اور اسی وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ اس خط کو جزیرۃ العرب میں ابوسفیان نے رواج دیا۔

ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں صرف چند افراد لکھنا جانتے تھے۔ قرآنِ مجید جب نازل ہوا تو اسی خط میں لکھا جانے لگا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خط کی اشاعت کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ بدر کے اسیران میں سے جو نادار تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی رہائی کی شرط یہ لگائی کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ غرض اس خط کی اشاعت روز بروز ہونے لگی۔ ختمِ قرآن تک کاتبینِ رسولؐ کی تعداد ۴۲ تک پہنچ گئی۔

جوں جوں فتوحاتِ اسلامیہ زیادہ ہوتی گئیں۔ یہ خط بھی پھیلتا گیا۔ خلافتِ راشدہ کے عہد تک اس میں کوئی جدت نہ پیدا ہوئی۔ کیونکہ مسلمان جہاد میں مشغول رہے۔ انہیں اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ اس میں حصہ لیتے۔ البتہ بنو امیہ کے عہد میں اس طرف توجہ کی گئی جبکہ کوفہ نے زور پکڑنا شروع کر دیا تو اسی وقت مساجد و محلات پر اس خط میں عبارتیں لکھنا شروع ہوئیں چنانچہ اس میں ایک خاص حسن پیدا ہو گیا۔

جرجی زیدان لکھتا ہے کہ قرآنِ مجید اور مذہبی کتابیں لکھنے کیلیے کوفی خط استعمال کیا گیا جیسے سریانیوں میں مقدس کتابیں لکھنے کیلیے سطرنجیلی خط استعمال ہوتا تھا اور روزمرہ کے کاروبار اور خطوط کیلیے نبطی خط استعمال ہوتا تھا - خط کوفی دراصل سطرنجیلی کا قائم مقام ہے اور دونوں خطوط کے حروف اور قواعد و ضوابط بھی یکساں تھے - مثلاً ایک قاعدہ یہ تھا کہ الف جب حروفِ مد کے وسط میں آجائے تو اس کو گرا دیتے ہیں - یہ قاعدہ سریانیوں میں بھی مستعمل تھا - اور اہلِ اسلام میں بھی ابتدائی زمانے میں اس کا رواج تھا - خاص طور پر قرآنِ کریم کا رسم الخط تو یہی ہے - مثلاً الکتاب کو الکتٰب اور الظالمین کو الظٰلمین لکھنا - اسلام کے آنے پر صرف چند آدمی اسطرح لکھنا جانتے تھے - ان میں سے کچھ تو قرآنِ مجید لکھنے اور کچھ سربراہانِ مملکت کو خطوط - ابوبکرؓ نے قرآنِ مجید خط کوفی میں لکھوایا تھا - بنی امیہ کے دور میں یہ خط ۴ قسموں میں لکھا جانے لگا - قطبہ نامی شخص اس زمانے کا مشہور کاتب تھا یہ قرآنِ مجید لکھا کرتا تھا - عصرِ عباس کے آغاز میں دو مشہور کاتب گذرے ہیں - ایک ضحاک بن عجلان دوسرا اسحاق بن حماد !

ان کی کوششوں سے خطِ کوفی تھوڑی ہی دیر میں بارہ طرزوں میں آگیا - ان کے نام یہ ہیں :

۱- قلم الجلوت (۲) قلم الدیباج (۳) قلم الجلیل (۴) قلم اسطور مار الکبیر
(۵) قلم الثلاثین (۶) قلم الزنور (۷) قلم المفتح (۸) قلم الحرم (۹) قلم المدامرات
(۱۰) قلم المعهود (۱۱) قلم القصص (۱۲) قلم المزماح

مامون کے عہد میں کتابت میں باہم مقابلہ رہا کرتا تھا اور لوگ ہمیشہ اپنے خط کی درستی میں کوشاں رہتے - اس زمانے میں قلم مرصع، قلم النساخ، قلم الرباشی، قلم الرقاع اور قلم عباد الحلیہ وغیرہ زیادہ ہوگئے - غرض ان کی تعداد ۲۰ ہوگئی - یہ تمام خط خطِ کوفی سے نکالے گئے تھے - خط نسخی یا خط نبطی میں بھی استعمال کرتے تھے تاآنکہ ابن مقلد ف ۳۲۸ھ نے اسی خط کی اصلاح کی طرف توجہ دی اور اسے اس قابل بنایا کہ اس میں مصاحف لکھے جانے لگے - اس کے بعد دوسرے کاتبوں نے اس خط میں کئی طرزیں پیدا کیں - غرض عربی میں خط کوفی اور خط بصری کی بہت سی شاخیں پیدا ہوگئیں جن میں، صدی ہجری میں صرف چھ مستعمل تھے :

ثلث، نسخ، تعلیقی، ایمانی، محقق اور رقاع -

. . . اور بہت سے مشہور خوشنویس پیدا ہوگئے جنہوں نے ان کے متعلق کتابیں اور رسالے لکھے اور قلم، دوات، کاغذ، روشنائی وغیرہ بنانے اور قط وغیرہ لگانے کے طریقے بتائے - اب تک ان خطوں میں جدت پیدا ہوتی چلی آئی ہے اور چلی جائیگی -

عام عرب مؤرخین کا خیال ہے کہ موجودہ نسخی خط ابنِ مقلد نے خط کوفی سے نکالا لیکن جرجی زیدان

کہتا ہے کہ یہ دونوں ابتدائے اسلام سے شائع تھے اور شانہ بشانہ شروع ہی سے چلے آتے تھے اور اسی اصلاح شدہ خط نسخی میں بھی دوا دین لکھے جانے لگے ــــــــ آج کل کم و بیش ، خطوط مروج ہیں :

۱ - خط نسخی :

کوفی کا رواج بہت کم ہو گیا ہے اور عربی اب نسخی ہی میں لکھی جاتی ہے ۔

۲ - خط نستعلیق :

اس خط میں فارسی اور اردو لکھی جاتی ہے اور ہند کے کئی علماء نے عربی کی کئی کتابوں پر اسی خط سے حاشیے لکھے ہیں ۔

۳ - خط مغربی ممالک :

یہ مراکش ، تونس ، طرابلس میں عربی کیلئے مستعمل ہے ۔

۴ - خط رقاع ۵ - خط ثلث :

یہ دونوں ترکی خط ہیں ۔

۶ - خطِ نستعلیق :

یہ فارسی سے ملتا جلتا ہے جو ترکی میں مستعمل ہے ۔

۷ - خطِ دیوانی

اس سے خطِ شکستہ مراد ہے ۔

عربی حروف ہجا اور ان کی ترتیب :

عربی میں دو ترتیبیں مروج ہیں ۔ ایک ابجدی یعنی ابجد ، ہوز ، حطی وغیرہ ۔ اور دوسری ابتثی یعنی ا - ب ت - ث وغیرہ ۔ اس میں حروفِ مشابہ کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا گیا ہے تاکہ شناخت میں سہولت رہے عربی کی ترتیب وہی ہے جو عبرانی اور آرامی کی ہے ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے یہ حروف نبطیوں سے لئے ہیں ۔ جو چھ حروف عربی کے ساتھ مخصوص ہیں یعنی ث ، خ ، ذ ، ض ، ظ ، غ ، وہ آخر میں اضافہ کر دئیے گئے ہیں ۔ عبرانی اور آرامی میں ۲۲ حروف ہیں اور عربی میں ۲۸ ۔ اہلِ مغرب کے نزدیک ترتیب ابتثی کچھ مختلف ہے ۔ ر ز تک تو اختلاف نہیں لیکن بعد میں جا کر ط ظ ک ل م ع غ ف ق س ش ہ و ی آجاتے ہیں ۔ بعض نے مخارج کے لحاظ سے حروف کی ترتیب مقرر کی ہے ۔ خلیل نے سب سے پہلے عربی لغت لکھی ۔ اس نے اپنی کتاب العین حروف حلقی سے شروع کی ۔ اس کے مطابق ترتیب یوں ہے : ع ح ہ خ غ ق ک ج ش ص ض س ز ط د ت ظ ذ ث ر ل ن ف ب م و ا ی ۔ یہی ترتیب الازہری نے تہذیب میں اور ابن سیدہ نے محکم میں

اختیار کی ہے۔ عربی میں حروف ابجد کے بارے میں مختلف روایات مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ مدائن کے چھ بادشاہوں نے اپنے ناموں پر یہ کلمات قائم کئے۔ دوسری روایت یہ کہ یہ شیطان کے نام ہیں۔ تیسری روایت کے مطابق یہ ہفتہ کے دنوں کے نام ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ روایات کس حد تک مستند ہیں لیکن بہر حال یہ بھی مروی ہے کہ ترتیب ابتثی حضرت آدمؑ سے منقول ہے جسے ابجد آدم بھی کہتے ہیں۔ اور پھر ادریسؑ نے اس کو آٹھ بامعنی کلمات میں مرتب کر دیا یہ ابجد ادریسی کے نام سے مشہور ہے۔ آخر میں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ عربی خط کو اسلام کی بدولت ہند و پاک، ملایا ایران، افغانستان وغیرہ میں تقریباً ۴۰ کروڑ آدمی استعمال کرتے ہیں۔

حرکات:

اس سے مراد زیر، زبر، پیش ہیں۔ ابتدائے اسلام میں قرآن سینوں میں محفوظ تھا۔ اور کیونکہ وہ لوگ اس کی نقل کرنے اور حفظ کرنے میں بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے۔ اس لئے کسی طرح کا اختلاف واقع ہونے کا خوف نہ تھا۔ اس کے بعد جب قرآن مدون کر لیا گیا تو نصف صدی تک بلا اعراب اور نقاط پڑھا جاتا رہا۔ لیکن بعد میں اختلاف ہجات کی وجہ سے قرآن میں تحریف کا اندیشہ بڑھ گیا۔ کیونکہ دن بدن قرآن کی حفاظت کرنے والے نسبتاً کم محتاط ہوتے چلے آرہے تھے۔ اور اگرچہ وہ بہت جانفشانی کے ساتھ اس کی طرف توجہ دیتے تھے مگر پھر بھی وہ اس درجہ کی حفاظت نہ کر پاتے تھے جس درجہ کی مطلوب تھی۔ اس کے علاوہ عرب لوگ تو اپنی زبان ہونے کی وجہ سے سہولت سے پڑھ لیتے تھے۔ لیکن عجمیوں کو بہت دقت پیش آتی۔ چنانچہ جب عربوں اور عجمیوں کا اختلاط شروع ہوا تو ان کے اغلاطِ قرآنی کی وجہ سے حرکات کو وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ابوالاسود الدولی نے جو علیؓ کا شاگرد تھا اور علم نحو کا موجد بھی۔ اس نے اسم، فعل اور حرف میں تمیز کرنے والے نقطے ایجاد کئے لیکن ان سے حروفِ مشابہ میں تمیز نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے یہ ڈھنگ سریانیوں سے سیکھا اور اس کے بعد یہ اعراب کی صورت میں بدل گئے۔ جو اب تک مروج ہیں۔ پہلے پہل جب اس نے اس کو وضع کیا تو کاتب سے کہا کہ جب میں منہ کھولوں تو اوپر نقطہ لگاؤ۔ عربی میں فتح کے معنی کھولنے کے ہیں پس زبر کیلئے یہی لفظ استعمال ہونے لگا۔ بند کروں تو سامنے نقطہ لگاؤ، بند کرنے کیلیے عربی میں ضمہ کا لفظ آتا ہے یہیں سے اس کے معنی پیش کے ہوئے۔ اور جب میں منہ کو دباؤں (نیچے کی طرف) تو نیچے کی طرف نقطہ لگانا۔ انہوں نے نیچے کیلئے کسرہ کا لفظ استعمال کر لیا۔ کچھ دنوں تک عرب ان نقطوں کو اسی طرح استعمال کرتے رہے۔ مزید تحقیق کیلئے نقطے دوسری روشنائی سے لکھ لئے جاتے۔ اس کے بعد ان نقطوں نے موجودہ حرکات کی شکل اختیار کر لی اور یہی نام پا لئے۔ لیکن حرکات کی یہ صورت جو ہم تک پہنچی ہے وہ بقول جرجی زیدان ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کو کس نے وضع کیا اور کس زمانہ میں وضع کیا۔ اغلب یہی ہے کہ یہ اسلام کے ابتدائی

زمانہ میں ہی وضع ہو گئی۔

نقاط:

جس وقت عربوں نے یہ خط سریانیوں اور نبطیوں سے لیا تو اس وقت یہ نقطوں سے خالی تھے۔ سریانی خط میں تو ابھی تک نقطے نہیں ہیں۔ نقطوں کے موجد اہلِ عرب ہیں۔ ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں نے حرکات ایجاد کیں تو اس کے بعد نقطے نہ ہونے کی وجہ سے غلطیاں ہوتی رہتی تھیں۔ خاص کر اہلِ عجم مشابہ الفاظ کو گڈمڈ کر دیتے۔ ط، ظ کا امتیاز نہیں کر پاتے تھے۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں اس کی طرف توجہ دی گئی۔ کہتے ہیں کہ حجاج نے کاتبین سے فرمائش کی کہ وہ اس طرف توجہ دیں اور اس کا کوئی حل نکالیں جس سے اہلِ عجم غلطیوں سے بچ سکیں۔ چنانچہ نصر بن عاصم اور یحییٰ بن یعمر نے نقطے ایجاد کئے۔ سو کسی پر ایک نقطہ لگایا، کسی پر دو، کسی پر تین، کسی کے نیچے کسی کے اوپر۔ لیکن اس کے بعد بھی غلطیاں واقع ہوتی رہیں تو جزم وضع کی گئی۔ مختلف روایتوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ عرب نے نقاط کو پہلی صدی ہجری میں وضع کر لیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔ البتہ قرآن میں ایسی جگہوں پر جہاں تحقیق و تدقیق کی زیادہ ضرورت ہوتی وہاں ان کی پابندی کی جاتی۔ معمولی خط و کتابت میں پابندی بالکل نہیں ہوتی تھی۔ عبداللہ بن طاہر کے پاس ایک خط گیا، بولا کہ "یہ خط بہت عمدہ ہے لیکن اس میں نقطے بہت زیادہ ہیں"۔ ایک قول یہ بھی مشہور تھا کہ زیادہ نقطے لگانا مکتوب الیہ کی طرف بدگمانی کرنا تھا۔ نقطوں سے کبھی کبھی غلطیاں بھی واقع ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ جعفر متوکل کا قصہ مشہور رہے کہ اس نے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ ذمیوں کی مردم شماری کر کے ان کی کل تعداد کی رپورٹ ہم تک بھیجو۔ اسی خط میں ایک لفظ "احص"، تھا جس کے معنے "شمار کرنا" ہیں۔ اس کی جگہ اس نے غلطی سے "اخص"، لکھ دیا جس کا مطلب ہے "خصی کرنا"۔ عامل مذکور نے ان سب کو خصی کروا دیا۔ جس کی وجہ سے سوائے دو کے باقی تمام مر گئے۔

اثنائے تمدن اسلامی میں کتابت کی دونوں صورتیں رائج رہیں۔ زیادہ تر لوگ بے نقطہ تحریر استعمال کرتے تھے۔ اسی سے بعض الفاظ پر خاص کر عجمی اسماء اور مقامات پر بڑی دقت محسوس ہوتی۔ لیکن چونکہ وہ لوگ اشارہ اور تلویح کو زیادہ پسند کرتے تھے اس لئے وہ بے نقط عبارت کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ البتہ علمی کتابوں میں نقطے بہت ضروری خیال کئے جاتے تھے۔ حرکات تو عرب اب بھی بہت کم استعمال کرتے ہیں لیکن اب لفظوں کا پورا خیال رکھتے ہیں۔

آلاتِ کتابت:

بنی امیہ کے آخری دور تک چمڑے اور آہو کی کھال پر لکھا جاتا تھا۔ سلطنت کے دفاتر چمڑوں اور کھال کے لفافوں کا مجموعہ ہوتے تھے۔ جب سفاح نے دولتِ عباسیہ قائم کی اور خالد بن برمک کو اپنا وزیر بنایا تو

ان چمڑے کے ٹکڑوں اور لفافوں کو کتاب کی شکل دی اور اب تمام دفاتر میں مجلّد کتابیں ہوگئیں۔ اس کے
رون کے زمانہ میں جعفر بن یحیٰی برمکی نے کاغذ رائج کیا اور اس وقت سے چمڑے، قرطاس چینی اور
ں ورق پر لکھنا چھوڑ دیا گیا۔ لیکن بعض لوگ اس وقت کپڑے پر لکھنا، کاغذ پر لکھنے کی نسبت زیادہ
تے تھے۔ چنانچہ فارابی کی جسقدر قلمی کتابیں ملتی ہیں وہ سب کپڑوں پر تھیں جن کو رفارع کہتے تھے۔

ترجمان کی ایجنسیاں

- ملک اینڈ سنز نیوز ایجنٹ بک سیلرز، ریلوے روڈ سیالکوٹ۔
- میسرز خلیق نیوز ایجنسی، موڑ امین آباد۔ ضلع گوجرانوالہ۔
- محمد سعید صاحب ایجنسی کھجور مارکہ صابن، بازار ناندلیانوالہ ضلع لائلپور۔
- حاجی ملک محمد ابراہیم صاحب دکانداریں بازار ٹیکسلا، تحصیل وضلع راولپنڈی۔
- مولانا محمد عبداللہ صاحب، خطیب جامع اہلحدیث، صدر، راولپنڈی۔
- کتب خانہ وہابیہ، ۳۰۔ النور مارکیٹ، اردو بازار گوجرانوالہ۔
- منشا بکسٹال بالمقابل ریلوے سٹیشن گوجرانوالہ ٹاؤن۔
- خواجہ نیوز ایجنسی لودھراں، ضلع ملتان۔
- حافظ عبدالحق صاحب معرفت مولوی علی احمد صاحب کریانہ سٹور، تحصیل بازار، بہاولنگر
- مرکز ادب حسین آگاہی، ملتان شہر۔
- محمد ابراہیم صاحب نیوز ایجنٹ، عباس سائیکل ورکس، بلاک نمبر ۱۹، سرگودھا۔
- مولانا محمد اسماعیل صاحب خادم مسجد ایمن پور بازار، لائلپور۔
- میاں عبدالرحمان حمّاد صاحب خطیب جامع مسجد اہل حدیث، قبولہ ضلع ساہیوال۔
- محمود برادرز کریانہ مرچنٹس، چمن بازار، ہارون آباد، ضلع بہاولنگر۔